…ـے کی تنقید کی ہے۔ مفتی جمال خاں دہلوی نے ان دونوں کے اقوال پر محاکمہ…
عضدی قاضی عضدالدین ایجی (م ۵۶…ھ) کی اصول فقہ میں معیاری کتاب ہے اس کا متن
ابن حاجب مالکی نے لکھا تھا اور کسی زمانہ میں یہ اس فن کا شاہکار محسوب ہوتا تھا اس کے غوامض
کو حل کرنے کے لیے بہت سے علماء نحاریر نے شروح لکھیں مگر

قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

قبول عام کا شرف قاضی عضد کی شرح کو حاصل ہوا اور یہ بعد میں اسلامی دنیا خصوصاً ہندوستان میں "عضدی" کے نام سے مدارس عربیہ کے اعلیٰ نصاب میں شامل ہوئی۔

۳۔ مصنف رحمن علی نے حافظ امان اللہ بنارسی کی تصانیف کے ضمن میں لکھا تھا۔

"و بر حاشیہ میر باقر علی استرآبادی و ملا محمود جونپوری در مسئلہ حدوث دہری محاکمہ تحریر کردہ" (۱۰)

پروفیسر مترجم نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

"مباحثہ میر باقر علی استرآبادی اور ملا محمود جونپوری پر حواشی لکھے ہیں۔ مسئلہ حدوث دہر کے متعلق ایک محاکمہ تحریر کیا ہے۔ (۱۱)

اس ترجمے سے ادارہ ہسٹاریکل سوسائٹی کے سربراہ اور دوسرے اہل الرائے کو اندازہ لگانے میں وقت نہ ہونا چاہیے کہ محض چاپلوسی کے بل بوتے پر خود کو کسی اہم فریضہ کی ادائیگی کا اہل محض کہنے والوں کے انتخاب کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

مصنف رحمان علی نے متعلقہ موضوع پر ایک کتاب بتائی تھی (اور واقعتاً ہے بھی ایک) یعنی محاکمہ بر مباحثہ میر باقر داماد و ملا محمود جونپوری "مسئلہ حدوث دہری"۔
مگر پروفیسر صاحب نے اس ایک کے دو بتائے (کم از کم خالی الذہن قارئین و طلبہ تو دو ہی سمجھیں گے) یعنی۔

۱۔ مباحثہ میر باقر علی استرابادی اور ملا محمود جونپوری۔
۲۔ مسئلہ حدوث دہر کے متعلق ایک محاکمہ۔

اس موقع کے لیے کہا گیا تھا کہ "یک من علم را دہ من عقل می باید"

بہر حال مسئلہ حدوث دہر۔ ہمارے اسلاف کی ان جگر کاویوں میں سے ہے جن کے متعلق کسی کہنے والے نے کہا ہے۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

اور علامہ اقبال کی رائے میں تو مسئلہ زمان (جس کا مسئلہ حدوث دہر ایک حل ہے) ملت اسلامیہ کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اس لئے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آئندہ جو اہل قلم اس قسم کے موضوع پر قلم اٹھائیں انھیں چاہیئے کہ اس کتاب (محاکمہ بر مسئلہ حدوث دہر) پر نوٹ دینے سے پیشتر اسلامی فکر میں مسئلہ زمان کے ارتقاء پر ایک مختصر جائزہ پیش کریں۔ میر باقر داماد نے "افق المبین" میں جو "حدوث دہر" کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اسے بالاختصار مگر واضح طور پر بیان کریں اس کے بعد ملا محمود جونپوری نے "شمس بازغہ" میں اس سے جو اختلاف کیا ہے۔ اسے اگر ہو سکے تو تفصیلی طور پر نقل فرمائیں صرف اسی طرح حافظ امان اللہ بنارسی کے اس رسالہ "محاکمہ بر مباحثۂ میر باقر داماد و ملا محمود جونپوری در مسئلہ حدوث دہر" کا تعارف باحسن وجوہ ممکن ہو سکے گا۔

یہ ایک مختصر خاکہ ہے (جناب پروفیسر صاحب کی گلفشانیوں کا نہیں بلکہ) ان احتیاطوں کا جو آئندہ اس قسم کا تحقیقی یا ترجمہ کا کام کرنے والوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئیں۔ اسی طرح ہم اپنے اسلاف کی جگر کاویوں کا صحیح طور پر نئی نسل کے سامنے تعارف کرا سکیں گے۔

حواشی و حوالے

(۱) رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۱۰۰ (۲) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۴
(۳) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۲۹ (۴) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۲۰
(۵) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۸۱ (۶) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۳۶
(۷) رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۲۵۲ (۸) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۳
(۹) رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۴۴ (۱۰) رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷
(۱۱) محمد ایوب قادری: ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص 119

زینب ایک تجزیاتی مطالعہ

آخری قسط

ابو النصر، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اس ناول کے ذریعہ ڈاکٹر ہیکل نے مصری سماج وسوسائٹی بالخصوص مصری دیہاتوں کی معاشرتی زندگی کے خدوخال بیان کئے ہیں۔ ناول کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا مصری سماج غربت وجہالت، اخلاقی گراوٹ اور سماجی رسم ورواج کی اندھی تقلید میں ڈوبا ہوا ہے جہاں نہ نوجوانوں کے جذبات واحساسات کا کوئی لحاظ ہے اور نہ ہی عورت کو کوئی عزت کا مقام حاصل ہے اور اسکی آزادی کو اس حد تک سلب کرلیا گیا ہے کہ وہ خود اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے سکتی۔ ناول میں زینب کا کردار ایک متحرک اور جاندار کردار ہے جو عورت کی مجبوری، لاچاری اور بے بسی کا مظہر ہے۔ حامد کے کردار کے ذریعہ ڈاکٹر ہیکل نے پڑھے لکھے نوجوانوں کے مسائل ومشکلات کو پیش کیا ہے ایک پڑھا لکھا اور روشن خیال نوجوان بھی سماج کے سامنے اتنا بے بس اور لاچار ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق زندگی بھی نہیں گذار سکتا کیونکہ یہ سماج خرافات اور فرسودہ مراسم کا اس قدر غلام ہے کہ اسے نوجوانوں کے احساسات و جذبات کی فکر بھی نہیں ہوتی بلکہ اپنی مرضی اور خواہش کو زبردستی ان نوجوانوں پر تھوپنے کی کوشش کرتا ہے۔ ڈاکٹر ہیکل نے اس ناول کے ذریعہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے اور ایسی زندگی گذارنے کی دعوت دی ہے جو خود ان کی اپنی ہو، اس پر کسی دوسرے کی اجارہ داری نہ ہو کیونکہ یہی دن تو آزادی اور بے فکری کے ہوتے ہیں اگر اس عمر میں نوجوانوں پر بے جا سماجی پابندیاں عائد کردی جائیں اور انکی آزادی سلب کرلی جائے تو ان کے چہروں کی شگفتگی ختم ہوجاتی ہے، اور وہ ہر وقت مضمحل اور اداس رہنے لگتا ہے۔ اور پھر کبھی کبھی وہ ان پابندیوں کے نتیجے میں سماج ومعاشرے میں فساد اور بگاڑ کا سبب بھی بن جاتا ہے اور ان پابندیوں میں وہ اتنا حبس محسوس کرتا ہے کہ اسے زندگی سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے اور وہ موت کی تمنا کرنے لگتا ہے

چونکہ ڈاکٹر ہیکل کے سامنے مصری ادب کی تجدید کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اصلاح بھی پیش نظر تھی۔ زینب لکھ کر انہوں نے دونوں مقصد میں کامیابی حاصل کی۔ ایک طرف تو انھوں نے سماج ومعاشرے کی خرابیوں اور برائیوں پر انگلی رکھ کر ان کی اصلاح کی کوشش کی تو دوسری جانب فکر وفن کی نئی راہوں سے عرب ادبا کو روشناس بھی کرایا۔[۲]

زینب عربی زبان وادب کا وہ پہلا ناول ہے جس میں مصر کے دیہاتوں اور کسانوں کی زندگی کا نقشہ بڑے خوبصورت انداز میں کھینچا گیا ہے۔ اس میں دیہاتوں کے پرسکون ماحول اور فطری حسن کی عکاسی کے ساتھ ساتھ کسانوں کے مسائل ومشکلات اور ان کی شرافت، مہمان نوازی اور انسان دوستی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر ہیکل اہل مصر کے اجتماعی ومعاشرتی مسائل کے حل اور ان کے تصفیئے کے متعلق کافی فکرمند تھے، سماج وسوسائٹی پر ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ وہ اپنے مقالات کی طرح اپنے افسانوں میں بھی سماج وسوسائٹی میں پھیلی ہوئی برائیوں اور خرابیوں کی طرف نہ صرف اشارہ کرتے ہیں بلکہ ان کی اصلاح اور ازالے کے لئے ہر ممکن راہ بھی دکھلاتے ہیں، انہوں نے اپنے افسانوں میں خاصکر صنف نازک کی بے بسی، لاچاری اور مجبوری کا نقشہ کھینچا ہے اور ان کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کی ہے۔ قاسم امین کی طرح ڈاکٹر ہیکل بھی حریت نسواں کے پرزور حامی تھے اور زینب میں انہوں نے بڑے کھلے انداز میں اسکی تبلیغ کی۔ لیکن جب انہوں نے حریت نسواں کی تحریک کا یہ دردناک انجام دیکھا کہ مصری عورتیں آزادی کے نام پر عریانیت اور فحاشیت کا مظاہرہ کرنے لگیں تو "ھکذا خلقت" لکھ کر اس کی تردید کردی۔[۳]

"زینب" ڈاکٹر ہیکل کا ایک لافانی شاہکار ہے اس ناول کو "ام الروایۃ" کہا گیا ہے اسے جدید مصری ناول نگاری میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ بقول پروفیسر محمد راشد ندوی "جدید عربی ناول نگاری میں "زینب" پہلی معلم کی حیثیت سے جانی جاتی ہے۔ حقیقتاً عربی ناول نگاری کی عمارت اسی پر کھڑی ہے"۔[۴]

اہل مصر کو ناول نگاری کے فن سے متعارف کرانے کا سہرا "زینب" کے سر ہے، مصری ادبا "زینب" کے توسط سے ہی افسانہ نگاری کے جدید اور بنیادی اصولوں سے واقف ہوئے۔[۵]

یہ رومانی و معاشرتی ناول کا وہ پہلا فن پارہ ہے جس پر عرب دنیا ناز کرتی ہے[7] اور جدید عربی افسانہ کو موجودہ مقام تک پہونچانے میں "زینب" سب سے اہم کڑی ثابت ہوئی ہے۔

"زینب" ۱۹۱۴ء میں مصنف کے اصلی نام کے بجائے اس کے قلمی نام "الفلاح المصری" (مصری کسان) سے منظر عام پر آیا لیکن ۱۹۲۹ء میں جب طہ حسین نے "الایام" لکھکر خود نوشت سوانح حیات کی ابتدا کی تو ہیکل کو بھی اپنا نام ظاہر کر دینے کی جرأت ہوئی اور ۱۹۲۹ء میں اس ناول کا نیا ایڈیشن ان کے نام کے ساتھ شائع ہوا۔ ہیکل نے "زینب" کے مقدمے میں خود اسکی صراحت کردی ہے "جب میں نے یہ محسوس کیا کہ مصری عوام میری اس نئی کوشش کو قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے تو اس کتاب کا نام "الروایۃ" یا القصہ" نہیں رکھا بلکہ" مناظر واخلاق ریفیہ" کے نام سے شائع کیا اور اپنا نام بھی ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مصری فلاح پر اکتفاء کیا۔ لیکن بعد میں ۱۹۲۹ء میں میرے اصلی نام کے ساتھ اس کی دوبارہ اشاعت عمل میں آئی[8] یحییٰ حقی کا کہنا ہے کہ "زینب" کو ڈاکٹر ہیکل نے اپنے نام کے بجائے اپنے قلمی نام مصری فلاح سے اسی وجہ سے شائع کرایا کیونکہ عوام کا تعلق دیہاتوں سے زیادہ ہوتا ہے اور وہ ان تحریروں کو پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں جن کا خالق کوئی دیہاتی ہو اور پھر دوسرے ڈاکٹر ہیکل کا تعلق عوام سے بھی زیادہ نہ تھا اور اکثر لوگ ان کے نام سے ناواقف تھے۔ لیکن جب یہ کتاب مقبول ہوئی اور دوبارہ اس کی اشاعت عمل میں آئی تو اس پر ڈاکٹر ہیکل کا نام لکھ دیا گیا:[9]

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے "زینب" سے پہلے عربی کے ناول موجود تھے مثلاً محمد مویلحی کی "حدیث عیسیٰ بن ہشام" طاہر حقی کی "عذراء دنشواي" اور محمود خیرت کی "الفتی الریفی والفتاۃ الریفیہ" وغیرہ تھیں لیکن مقفیٰ و مسجع عبارتوں، کردار نگاری میں کمزوری اور واقعات میں عدم تسلسل اور پھر اپنے مقامی حیثیت کی بنا پر وہ زیادہ مقبول نہ ہو سکے۔ اگر ہم "زینب" کا موازنہ "حدیث عیسیٰ بن ہشام" سے کریں تو اگرچہ دونوں میں ہمیں پیار و محبت، سماجی و معاشرتی کیفیات کا پتہ چلتا ہے۔ حدیث عیسیٰ بن ہشام مصری سماج کی انیسویں صدی کی تصویر ہے تو زینب بیسویں صدی کے ابتدائی ایام کی سماجی و معاشرتی کیفیات کی عکاس ہے۔ لیکن "زینب"

کو جدید نظریات و افکار اور جدید طرز نگارش کی بنا پر زیادہ مقبولیت ملی کیونکہ اس میں فن ناول کی تمام بنیادی خصوصیتیں (قصہ، کردار، پلاٹ، تحلیل و تجزیہ) موجود تھیں، جبکہ "حدیث عیسیٰ بن ہشام" اور دوسرے ناول مقفیٰ اور مسجع عبارتوں اور توضیحی پیراگراف کی بنا پر زیادہ مقبول نہ ہو سکے "حدیث عیسیٰ بن ہشام" کے متعلق عبداللطیف حمزہ کا خیال ہے" اگرچہ یہ ناول مصر کے دیہاتوں اور وہاں کے باشندوں کے خدوخال پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ ناول مقفیٰ اور مسجع عبارتوں سے آراستہ ہے اس میں کنایہ واستعارہ کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کہیں کہیں قرآن و حدیث اور جاہلی اشعار سے استشہاد بھی ملتا ہے جس کی وجہ سے یہ ناول زیادہ مقبول نہ ہو سکا"۔ [10] حامد محمود شوکت نے "زینب" کا موازنہ انگریزی کے مشہور ناول نگار THOM SS HARDEY (تھامس ہارڈی) کے ناول "TESS" سے کیا ہے Thomas Hardy نے اپنے ناول میں انگلستان کے دیہاتوں کی معاشرتی زندگی سے پردہ اٹھایا ہے اور نوجوانوں کو بے جا سماجی پابندیوں اور فرسودہ رسم و رواج کے خلاف آواز بلند کرنے کی دعوت دی ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہیکل نے "زینب" میں مصر کے دیہاتوں اور وہاں کے باشندوں کی طرز معاشرت کی عکاسی کی ہے۔ [11]

ڈاکٹر ہیکل نے "زینب" میں عامیہ اور دارجہ الفاظ کا استعمال بکثرت کیا ہے جس سے ناول کی تفہیم اور مفہوم کو سمجھنے میں کافی دشواری ہوتی ہے لیکن ہیکل نے ان کا استعمال بے موقع اور بے محل نہیں کیا ہے بلکہ موقع و محل اور ضرورت کے مطابق ہی ان کا استعمال کیا ہے۔ چونکہ ناول کی تخلیق کا مقصد ہی گاؤں کے باشندوں کی معاشرتی زندگی کو پیش کرنا تھا اور گاؤں کے باشندوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کے لئے ان عامیہ و دارجہ الفاظ کا استعمال ناگزیر تھا اور مقصد تخلیق کو مدنظر رکھتے ہوئے ادب میں ان کا استعمال کوئی معیوب فعل نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس سے ادب میں نکھار اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ [12]

زینب میں کچھ فنی اور تکنیکی خامیاں بھی ہیں مثلاً توضیحی پیراگراف کی بھرمار ہے اور کہیں کہیں کردار نگاری میں بھی جھول ہے۔ اور وصف نگاری اور منظرکشی میں غلو سے کام لیا گیا ہے جس کے نتیجے میں ایسے Sentiments ابھر کر سامنے آتے ہیں جو ہمارے موجودہ ذوق کے بالکل برعکس اور غیر رومانی ہیں [13] لیکن پھر بھی اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس ناول میں مصر کی بیسویں صدی